Al-SHARQ
Vol: 04, Isue:02, July-Dec 2023, pp:111-126

OPEN ACCESS
Al-SHARQ
ISSN (Online): 2710-2475
ISSN (Print): 2710-3692
www.alsharqir.com

اسلام اور مغربی قوانینِ نکاح کے تاریخی پس منظر کا تقابل

A comparison of the historical background of Islamic and Western marriage laws

Ahmad Saeed
Phd Research Scholar Department of Islamic Studies, The University of Lahore,Lahore.

Shams ul Arifeen
Associate Professor, Department of Islamic Studies, The University of Lahore,Lahore.

Submission: 15-09-2023 *Accepted: 15-10-2023* *Published:30-12-2023*

Abstract

This paper delves into the historical evolution of marriage laws within the Islamic and Western contexts, highlighting the distinctive cultural, religious, and socio-political factors that have shaped each system. By examining the historical background, this comparative study aims to elucidate the divergent paths taken by Islamic and Western societies in regulating marriage and family life.In the Islamic tradition, marriage is deeply rooted in religious teachings, with Quranic principles and Prophetic traditions serving as the foundation for legal frameworks governing marital relationships. The concept of marriage as a sacred bond ordained by God, encompassing rights and responsibilities for both spouses, has influenced Islamic jurisprudence throughout history. The evolution of Islamic marriage law reflects a balance between religious injunctions, customary practices, and socio-cultural norms, adapting to diverse regional contexts while retaining

core principles of equity and justice.Contrastingly, the development of Western marriage laws has been influenced by a complex interplay of religious, philosophical, and legal traditions. From the Roman institution of marriage to the Christian sacrament and subsequent secularization, the Western conception of marriage has undergone significant transformations over centuries. Legal codes, such as those derived from Roman law, canon law, and later civil law, have shaped the contractual nature of marriage, emphasizing individual rights, property, and inheritance.This analysis explores key historical milestones, including the codification of marriage laws, the impact of colonialism and globalization, and contemporary debates surrounding marriage equality and gender rights. While both Islamic and Western traditions have sought to regulate marital unions and family structures, they have diverged in their approaches, reflecting distinct worldviews and social norms.By examining the historical trajectories of Islamic and Western marriage laws, this study contributes to a deeper understanding of the cultural, religious, and legal dynamics that continue to influence contemporary debates and practices surrounding marriage and family life in diverse societies.

***Key Words**: Comparative analysis ,Religious traditions,Socio-political factors,Legal frameworks,Marriage equality.*

تعارف:

اسلام اور مغرب کے قوانینِ نکاح کا ارتقائی جائزہ لیا جائے گا۔ اس میں تاریخی نوعیت سے تقابلی مطالعہ کیا جائے گا۔ اسلام اور مغرب کا فلسفہ نکاح اور مبادیات و مقاصد پر بحث کی جائے گی۔ نکاح اور قانون کے معنی و مفہوم کو بیان کیا جائے گا۔ خاندان اور اس کی تشکیل، نکاح اور اس سے پیدا ہونے والے حقوق وفرائض کی تاریخی مباحث کا مطالعہ کیا جائے گا۔ قوموں کے لئے عائلی زندگی بالخصوص ازدواجی تعلقات عزیز ہوتے ہیں بلکہ انہیں معاشرتی نظام کے لئے ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت حاصل ہوتی ہے۔ قوانینِ نکاح کی بدولت ہی ازدواجی حقوق وفرائض کا تحفظ اور عملی ادائیگی ممکن ہوتی ہے جن سے ہر فرد کو براہ راست واسطہ پڑتا ہے۔ قوانینِ نکاح انسانی زندگی میں اتنی اہمیت رکھتے ہیں کہ ایک بار ازدواجی بندھن میں کوئی غلط رجحان شامل ہو جائے تو تدریجا پوری عائلی زندگی اور خاندان کی عمارت گڑبڑ ہو جاتی ہے۔ عائلی نظام اور خاندان کا ادارہ نکاح کے بندھن کے ذریعے ہی تشکیل پاتا ہے۔ زوجین، اولاد، اور دیگر رشتے اسی بندھن کی مرہون منت قرار پاتے ہیں۔ ازدواجی رشتہ زوجین کے حقوق سے لے کر نسل نو کی تربیت اور وراثت کی منتقلی تک کے معاملات کو شامل ہوتا ہے۔

"مسلم پرسنل لاء اور اسلام کا عائلی نظام" کتاب میں مذکور ہے کہ:

"کسی بھی تہذیب وتمدن کی روح اس کی پرسنل لاء میں بند ہوتی ہے، عائلی قوانین میں ہی قوموں کے عزائم وافکار، رسم وشعائر، عقائد وایمان کی جھلک دیکھی جاسکتی ہے۔ جسم اگر بے جان کے اور درخت بے جڑ کے قائم رہ سکتا ہے تو کوئی ملت بغیر اپنے عائلی قوانین اور خاندانی نظام کے رہ سکتی ہے ورنہ نہیں"۔

خاندان اور معاشرہ:

ہر معاشرہ اپنے شہریوں کے حقوق وفرائض کے تحفظ اور ان کی تکمیل وادائیگی کے لئے قانونی نظم رکھتا ہے۔ شرق و غرب کے تمام مذہبی وغیر مذہبی معاشرے نکاح یا شادی کی رسم کو مقدس حیثیت دیتے رہے ہیں۔ جب سے انسان اس کائنات میں موجود ہے نکاح اور اس کی مبادیات موجود ہیں۔ ریاست یا معاشرہ کی بنیاد خاندان کے ادارے سے پھوٹتی ہے۔ خاندان کا ادارہ نکاح کی بدولت ہی وجود پذیر ہوتا ہے۔ بلاشبہ انسان کی مدنی زندگی اور اجتماعی زندگی کے لیے، تہذیب ایک فطری اور لابدی چیز ہے، دو آدمیوں کے باہمی ملاپ سے جو بچہ عالمِ وجود میں آتا ہے، اس کے پروان چڑھنے کے لیے ماں کی گود ضروری ہے، نیز اس کی نشو نما کے لیے خاندان، معاشرہ اور تعلیم گاہ بھی ضروری ہے، مدنیت انسان کی فطرت ہے اور تہذیب اس کی اساس ہے۔

خاندان کا نمایاں جزو دراصل مرد اور عورت کا تعلق ہے۔ اسی رشتہ سے خاندان کی عددی قوت بڑھتی ہے اور اسی کے سبب سے استحکام نصیب ہوتا ہے۔ یہ تعلق فرد کی انفرادی حاجت کی تسکین بھی ہے اور اجتماعی فلاح کا ذریعہ بھی۔ جہاں تک اس رشتہ کے اختتام کی بات ہے تو یہ تقریباً سبھی معاشروں میں پائی جاتی رہی ہے۔ بعض معاشروں میں طلاق کی اجازت نہیں اور ازدواجی تعلقات کو ناقابل انقطاع تصور کیا جاتا ہے، مسیحی اور ہندو معاشرے اس کی مثال کے طور پر پیش کیے جاتے ہیں۔ مغرب کے سیکولر معاشرے نے مسیحیت کے اس تصور کو رد کر دیا ہے اور عورت کو طلاق کی اجازت دی اور اب مغربی معاشرے میں طلاقوں کی بھرمار ہے۔ طلاق دراصل انقطاع تعلق ہے جس کے کئی اسباب ہو سکتے ہیں۔ ناپسندی طبع، ارتکاب جُرم اور کسی مہلک مرض میں مبتلا ہونا وغیرہ۔ تمام مذاہب نے اسے تسلیم کیا ہے اور اس کی وجہ سے معاشرہ انتشار سے بچتا رہا ہے۔

ان دنوں انسانیت جن سنگین مسائل سے دوچار ہے ان میں سے ایک خاندان کی تباہی وبربادی ہے۔ آزادی، خود غرضی، مفاد پرستی، شہوت رانی، مادیت کے غلبے اور مال ودولت کی حرص نے اس مقدّس ادارہ کو بری طرح شکست وریخت سے دوچار کر دیا ہے، خاندان کی ذمہ داریوں سے فرار کی راہیں تلاش کی جارہی ہیں، یہاں تک کہ اب اس کی ضرورت سے بھی انکار کیا جانے لگا ہے۔ اس رجحان کو اصطلاحی طور پر Live in Relationship یا Cohabitation کہا گیا ہے۔ اس کا مطلب ہے کسی مرد اور عورت کا ایک ساتھ رہتے ہوئے زندگی گزارنا۔ اس کا اطلاق ان جوڑوں پر کیا جاتا ہے، جو نکاح کے بغیر ایک ساتھ رہنے لگیں۔ ان کی یہ معاشرت عارضی اور چند روزہ بھی ہوسکتی ہے اور اس میں پائیداری بھی ممکن ہے کہ وہ طویل زمانے تک ایک ساتھ رہیں۔ اس عرصے میں ان کے درمیان جنسی تعلق بھی قائم رہتا ہے، جس کے نتیجے میں بسا اوقات بچے بھی ہو جاتے ہیں، لیکن میاں بیوی کی طرح رہنے کے باوجود ان کے درمیان نکاح کا معاہدہ نہیں ہوتا، جس کی بنا پر ان میں سے ہر ایک کو اختیار رہتا ہے کہ جب بھی اس کی مرضی ہو علیحدگی اختیار کر لے۔ نکاح نہ ہونے کی وجہ سے وہ اپنے ساتھی کے تعلق سے ہر طرح کی ذمہ داریوں سے آزاد رہتا ہے اور اس پر کوئی قانونی بندش نہیں ہوتی۔

نصف صدی قبل تک دنیا کے بیش تر حصوں میں نکاح کے بغیر جنسی تعلق کو سخت ناپسندیدہ سمجھا جاتا تھا اور زیادہ تر

ممالک کے دستوروں اور قوانین میں اسے غیر قانونی قرار دیا گیا تھا، لیکن اس کے بعد صورت حال بہت تیزی سے تبدیل ہونے لگی اور خاندان کی پابندیوں سے آزاد رہ کر زندگی گزارنے کا رجحان پرورش پانے لگا، جس میں برابر اضافہ ہوتا جارہا ہے۔ مغرب نے جب نکاح کو مذہبی تقدس اور تحفظ سے الگ کر کے محض ''سوشل کنٹریکٹ'' قرار دے دیا۔آج جب یہ سوشل کنٹریکٹ یا برابری کا معاہدہ مغرب کو خاندانی زندگی کے تصور اور رشتوں کے تقدس سے کلی طور پر محروم کر چکا ہے تو وہی مغرب اب متبادل راہوں کی تلاش میں ہے۔ اسی طرح رہبانیت یا تجرد کی زندگی نے مہلک معاشرتی نتائج مرتب کئے ہیں۔

ڈاکٹر اسرار احمد اسرار لکھتے ہیں کہ :

"رہبانیت یا تجرد کی زندگی کا تصور عیسائیوں میں بھی نظر آئے گا اور ہندوؤں میں بھی ہے۔ اسی طرح دنیا کے اور بھی مذاہب ہیں جیسے بدھ مت جین مت ان میں بھی یہ تصور ملے گا کہ نکاح اور گھر گرہستی کی زندگی روحانیت کے اعتبار سے گھٹیا درجہ کی زندگی ہے۔اس اعتبار سے ان مذاہب میں اعلیٰ زندگی تجرد کی زندگی ہے۔ شادی بیاہ کے بندھن کو یہ مذاہب کے بعض لوگ روحانی ترقی کے لئے رکاوٹ قرار دیتے ہیں مرد ہو یا عورت دونوں کے لئے تجرد کی زندگی کو ان کے ہاں روحانیت کا اعلیٰ و ارفع مقام دیا جاتا ہے نکاح کرنے والے ان مذاہب کے نزدیک ان کے معاشرہ میں دوسرے درجہ کے شہری ''Second rate Citizens'' شمار ہوتے ہیں چونکہ شادی بیاہ میں پڑ کر انھوں نے اپنی حیثیت گرادی ہے"[1]

انسانی تاریخ بتاتی ہے کہ روئے زمین پر پیدا ہونے والے انسانوں کے درمیان روز اول سے شادی اور خاندان کا تصور پایا جاتا تھا۔ شادی اس لیے کہ ایک لڑکی کسی ایک مرد کے لئے مختص ہو گی اور سماج بھی جان جائے کہ کون لڑکی کس مرد کے ساتھ زوجیت کے رشتے میں بندھی ہے۔ اسی مسئلے پر تو دنیا کی پہلی لڑائی ہوئی تھی اور روئے زمین پر پہلا قتل اور پہلی موت واقع ہوئی تھی۔ ایک مرد اپنی پسند کی لڑکی کو اپنی زوجیت میں لینے کے لئے کبھی کسی بھی انتہا پر جا سکتا ہے اور کوئی غلط اقدام بھی اٹھا سکتا ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ انسانی فطرت اور مزاج میں میں شادی کی کتنی اہمیت ہے اور خاندان بسانے کا جذبہ کتنا شدید ہے۔ خاندان بسانے کا یہ تصور انسانوں میں اس وقت سے موجود ہے جب کہ انہیں تہذیب نام کی چیز کی ہوا تک نہ لگی تھی۔

انسان اس دنیا میں اکیلا نہیں رہ سکتا۔ کیونکہ وہ سماجی تعلقات کے بندھن میں بندھا ہوا ہوتا ہے۔اور ہر تعلق باہمی انحصار پر ہوتا ہے۔ خواہ وہ ماں باپ اور بچوں کا رشتہ ہو یا میاں اور بیوی کا رشتہ۔ فکر و خیال اور جذبہ و احساس کے ساتھ مسلسل ایک دوسرے کے ساتھ کارگاہ حیات میں مشترک مشغلوں میں منہمک ہونا پڑتا ہے۔اس لیے ہر رشتے میں ایک کمنٹمنٹ کا عنصر ہوتا ہے۔ خوشگوار اور کارآمد زندگی کیلئے رشتوں کے بندھن میں بندھ جانا آفاقی طور پر تسلیم شدہ ایک حقیقت ہے۔ اس میں نفسیاتی، معاشی اور حیاتیاتی زاویے شامل ہیں۔

مسلم قوانینِ نکاح کا تاریخی و فکری پس منظر:

عائلی قوانین کے لئے لفظ " قانون" محض مروج اور مستعمل اصطلاح کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔ اسلامی تعلیمات میں اس کے لئے لفظ "احکام" عمومی طور پر آتا ہے۔ ابتدائی ادوار سے قرآن وسنت ہی عائلی قوانین کا منبع وماخذ ہیں۔ اسلام میں نکاح کا تصور دیگر مذاہب وادیان اور معاشرتی روایات سے مختلف ہے، مرد و عورت کے لئے منصفانہ ازدواجی حقوق وفرائض متعارف کروائے گئے ہیں۔ عہد نبوی ﷺ سے عصرِ حاضر تک نکاح کی مبادی تعلیمات یکساں ہیں۔ اگرچہ زمانی ومکانی تغیر کے

تناظر میں نکاح اور اس سے متعلقات، اور اس سے تخلیق ہونے والے حقوق وفرائض کے تحفظ اور ادائیگی کے لئے اصلاحی اقدامات کئے جاتے رہے ہیں۔ موجودہ مسلم معاشرے میں نکاح سے متعلق قوانین ارتقائی مراحل اور متعدد کوششوں کا نتیجہ ہیں۔

قبل از اسلام عورت کو ازدواجی زندگی بالخصوص نکاح اور اس سے متعلقات کی بابت حقوق میس نہ تھے، نکاح کے لئے رضامندی، پسند وناپسند کا اظہار، کفو ومساوی ہم سفر کا انتخاب، کم سنی کی شادی اور حقِ خیارِ بلوغ کا تحفظ، منصفانہ حق مہر، اور اس حق مہر کی عملی ادائیگی وملکیت وغیرہ سے عورت آشنا نہ تھی۔ نکاح کو معاشرتی زندگی میں ایک عبادت کا تقدس بعد از اسلام دیا گیا۔ نکاح میں انتخابِ زوج سے مکمل عائلی زندگی کی تفصیلات وجزئیات متعارف کروادی گئیں۔

معاشروں، سلطنتوں اور تہذیبوں کے عروج وزوال کے مراحل میں کئی نظریات وافکار نے جنم لیا۔ ان میں سب سے تفصیلی طور پر مسلم معاشرہ میں عبادات کے بعد مناکحات کو اہم ثقافتی علامت قرار دیا گیا ہے۔

ڈاکٹر عبدالحیی ابڑو اپنی کتاب "اسلام کا خاندانی نظام" میں لکھتے ہیں کہ:

"اسلام نے دیگر معاملات کے برعکس عائلی معاملات کی بابت تفصیلی احکام دیئے ہیں حتی کہ قرآن کریم میں بھی جزئیات ذکر کردی گئی ہیں۔ قرآن پاک میں درج ذیل سورتیں بالخصوص عائلی احکام سے متعلق ہیں: [۲]

ا. سورۃ البقرۃ

ب. سورۃ النساء

ج. سورۃ المائدۃ

د. سورۃ النور

ہ. سورۃ الاحزاب

و. سورۃ المجادلۃ

ز. سورۃ الطلاق

ح. سورۃ التحریم"

جنسی تسکین انسان کی فطری ضرورت ہے لہٰذا ہر معاشرہ میں مرد وزن کے اختلاط کی روایت موجود رہی ہے۔ تاہم، مطلق اور بغیر کسی حد بندی کے اختلاط کو کبھی نہیں سراہا گیا۔ اسلام نے بطور دین ازدواجی تعلقات کی جزئیات وتفصیلات بیان کیں کیوں کہ اسی بندھن کی بدولت خاندان کا ادارہ وجود میں آتا ہے اور پھر اس سے پورا قبیلہ اور معاشرہ تشکیل پاتا ہے۔ پہلی اینٹ ہی عمارت کی تشکیل وتقویم کو طے کرتی ہے۔ خاندان کی سادہ شکل رشتۂ ازدواج کی صورت میں قائم ہوتی ہے، پھر زوجین والدین کی صورت اختیار کرلیتے ہیں، بچے جوان ہوتے ہیں تو پھر اور ازدواجی رشتے بنتے ہیں، اس طرح کنبے اور قبیلے وجود میں آتے ہیں۔ الغرض خاندان کی ابتدائی صورت میاں بیوی کا باہمی تعلق ہے، جو پھیل کر خاندان اور پھر مزید پھیل کر معاشرے کی صورت اختیار کرجاتا ہے۔ اسی وجہ سے اسلام زوجین کے تعلق کو مضبوط سے مضبوط تر بنانے کی ترغیب دیتا ہے۔

مسلم قوانینِ نکاح کی تدوین:

مسلم دنیا میں قوانین بالخصوص قوانینِ نکاح کی باضابطہ تقنین وتدوین کا ذکر عہد نبوی سے بنوامیہ وعباس کے ادوار

تک کہیں نہیں ملتا۔ تاہم، عائلی معاملات کے لئے براہ راست قرآن وسنت اور بعدازاں فقہی تعبیرات اور فتاوی جات سے استفادہ کیا جاتا رہا۔ مسلم علاقوں کی وسعت کے ساتھ ساتھ بیرونی دنیا میں ہونے والی تبدیلیوں سے مسلم معاشرے بھی متاثر ہوئے۔ اسلامی معاشرے میں قوانین کی باضابطہ تدوین کی بابت سب سے پہلے مؤطاء امام مالک کو قانونی مسودہ کے طور پر نافذ کرنے کی تجویز پیش ہوئی۔ تاہم یہ کتاب قانونی تنفیذ کو طور پر متعارف نہ کروائی جا سکی۔ بعدازاں زیادہ تر انحصار فتاوی جات یا فقہی متون پر کیا جاتا تھا۔ برصغیر میں فتاوی ہندیہ یا فتاوی عالمگیری سے موسوم مسودہ کی تدوین ہوئی۔

مسلم معاشرے میں قوانینِ نکاح کی تاریخ میں سب سے پہلا تقنین وتدوین کا کام سلطنت عثمانیہ نے کیا۔ دنیا کا پہلا مسلم قانونِ نکاح کا مسودہ اسی دور میں جاری ہوا جو بعد میں کئی مسلم علاقوں میں سرسری تبدیلیوں کے ساتھ نافذ رہا۔

مسلم قوانینِ نکاح کا انحصار قرآن وسنت یا فقہی ذخیرہ کتب پہ ہے۔ مسلم دنیا میں پہلی دفعہ خلافت عثمانیہ نے ازدواجی تعلقات اور اس کے حقوق وفرائض کے تحفظ کے لیے قوانینِ نکاح کو جدید طرز پر دفعہ وار مدون کیا۔ یہ قوانینِ نکاح مسلم وغیر مسلم دونوں طبقات یعنی اپنے تمام شہریوں کے مفادات کے تحفظ کو یقینی بناتے تھے۔ یہ سلطنت عثمانیہ دنیا میں طویل عرصہ تک قائم رہنے والی سلطنتوں میں سے ایک عظیم سلطنت، سلطنت عثمانیہ تھی جو مشرق وسطی، مشرقی یورپ اور شمالی افریقہ کے وسیع علاقے پر سپر پاور رہی ہے جیسا کہ مورخین لکھتے ہیں:

"The Ottoman Empire was one of the greatest, most extensive, and longest-lasting empires in the history of the world. It included most of the territories of the eastern Roman Empire and held portions of the northern Balkans and north Black Sea coast, areas that Byzantium had never ruled".[3]

عثمانیوں نے اپنے کثیر المدنیت معاشرہ کیلئے محصولات، فوجی اور تجارتی شعبوں میں قوانین کا نفاذ کیا اور ۱۸۷۶ء میں "مجلّہ احکام عدلیہ" کے نام سے اسلامی قوانین کی پہلی باقاعدہ دفعہ وار تدوین کی روایت ڈالی۔ پھر انیسویں صدی سے قبل کئی جغرافیائی تبدیلیاں ہوئیں، نئے ٹیکسز کا نظام متعارف کروایا گیا اور فوجی وبحری صلاحیتوں میں بھی کچھ حد درجہ اضافے ہوئے لیکن عائلی معاملات میں روایتی فقہی کتب سے ہی استفادہ کیا جاتا رہا جیسا کہ تاریخ دان لکھتے ہیں کہ

"The first and foremost proper position in reformation era may be referred the sultan Salem-III period "from ۱۸۷۹ to ۱۸۰۷" and Sultan Mahmud-II era "from ۱۸۰۷-۱۸۳۹". They took some steps towards some reforms in his era. His reform series are also familiar with the tile ofnizam-ı cedid ""new order". In particular, he wanted to introduce the "modern system" to uphold his military and civil administration. He demarked again the provinces territories, laid new taxes and established new legal structure. But in this system, there was no touch to the personal laws".[4]

اسی طرح سلطنت عثمانیہ میں تقنین اور مجلّہ احکام عدلیہ کی بابت ایک اور مورخ لکھتے ہیں کہ :

"Attempts to codify Sharia were also made in the late nineteenth century. This resulted in the 'Micelle', codified law based on Hanafi fiqh. However, the Mejelle covered only a small part of the Shari'a law - mainly contracts, hire, surety, obligations and trust, agencies as well as testimony and evidence: that is mainly economic and procedural matters. It did not cover family law, where traditional Shari'a was dominant nor criminal law, which was already codified on a European-inspired basis".[5]

مغربی ثقافت کی آزادی اور انقلاب کی فضا کے اثرات خلافت عثمانیہ تک بھی پہنچے اور جمہوری حقوق کی صدائے بازگشت سے کئی تنظیموں نے جنم لیا۔ان میں سب سے مشہور اور موثر تحریک کے طور پر، انیسویں صدی کے محرک مصطفیٰ راشد کو "بابائے تنظیمات" کا لقب دیا جاتا ہے جیسا کہ اس اصلاحاتی دور کے تذکرہ میں لکھا گیا کہ

"Regardless from where his influence was acquired, Mustafa Rashid is considered by some scholars to be the real designer of nineteenth-century Ottoman reforms and hence his title, the "Father of the Tanzimat".[6]

علاوہ زیں اس اصلاحاتی دور میں خلافت سے جمہوریت کے سفر میں پارلیمنٹ اور آئین کے وجود کیساتھ "ینگ ترک" نامی تنظیم یورپ کے تناظر میں اصلاحات کی خواہاں تھی جسے بڑے پیمانے پر مقبولیت حاصل ہوئی۔ بعدازاں اسی حلقہ نے عطاترک کو شہریت دی۔نوجوانوں کی تنظیم پر یورپ کے اثرات کی نشاندہی کرتے ہوئے انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا میں درج ہے کہ

"In the era of Abdul Hamid, the organization named 'Young Turk' popularized at large. It was the group of influenced people by Europe. They wanted reforms in the context of the Europe. This European influenced community gave birth the Ata Turk".[7]

۱۹ ویں صدی کے اواخر اور ۲۰ صدی کے اوائل میں جدیدیت کی تحریکوں نے خواتین کی معاشرتی حیثیت اور حقوق پہ آواز اٹھائی۔پریس نے میگزین، رسائل وجرائد اور اخبارات میں متاثرہ خواتین اور خاندانی معاملات کی نازک صورتحال کی اشاعت کا سلسلہ شروع کیا۔ تعدد ازدواج اور حقوقِ نسواں کے نام سے آواز اٹھائی جانے لگی اور متعدد اخبارات اور مجلّہ جات زائع ہونے لگے جن میں سب سے مشہور ینگ ترک قائد نامق کمال کا اخبار "عبرت" تھا جس میں طے شدہ شادی اور خواتین کے حقوق پہ آواز اٹھائی گئی جیسا کہ محققین نے بیان کیا ہے کہ :

"It is true that reforming process didn't direct change women's status particularly. But ottoman economic, social, political and judicial transformation

affected them. At the last ١٩th century and early ٢٠th, the attention of modernization movements was attracted to the status and role of women. During this period, many women magazines, journals and newspapers evaluated demanding position of women made.Young Turks leader the *Namik Kamal* started a newspaper named *"Ebrat"*[8]

مجلّہ احکام عدلیہ سے پہلے کوئی باقاعدہ قانون سازی نہیں تھی بلکہ فقہاء کے دریافت کردہ قواعد کی روشنی میں نظام قضا چلتا تھا۔ قانونی یکسانیت کی ابتدائی کوششیں محض مختصر کتب اور فتاوی جات کی تالیف ہیں۔ سول معاملات کو منظّم کرنے کے لئے پہلا باقاعدہ اسلامی سول ضابطہ ،، مجلّہ الاحکام العدلیہ،، کے نام سے نافذ کیا گیا تھا۔ اسلامی قوانین کی تقنین وتدوین پر سدرہ ذوالفقار لکھتی ہیں کہ "

"Majjallah Al Ahkam Al Adliyah is supposed to be the first "formal and official" codification of law in Islamic legal history. The Ottoman Empire used Islamic Law in its full form to govern the administration of Justice".[9]

ایک کمیشن کی سفارشات کے نتیجہ میں یہ مسودہ مکمل کیا گیا جو ابتدائیہ اور ١٦ ابواب پہ مشتمل تھا۔ ابتدائیہ میں ٩٩ شرعی قواعد قانونی اعانت کے لیے تھے۔ یہ مسودہ زیادہ تر مسودہ حنفی نقطہ نظر پر مبنی تھا۔ مجلّہ احکام عدلیہ کی تدوین پر گفتگو کرتے ہوئے نجم الدین کریم زنکی لکھتے ہیں کہ:

"The government constituted a panel of seven top ranking scholars under the presidency of Aḥmad Cevdat Bāshā "١٨٢٢-١٨٩٥CE" and entrusted them with the job. This compilation was authored in the form of the modern codes and it contained ١٨٥١ Articles divided into an introduction and sixteen chapters. The introduction contained ١٠٠ Articles elaborating the definition of jurisprudence "Fiqh", its categorization and main maxims. In drafting the code, the committee had never stepped outside the limits of the Ḥanafī rite and the rules".[10]

اس کے بعد ازدواجی اصلاحات بذریعہ شاہی فرمان متعارف ہوئیں اور مالکی و حنبلی آراء سے استفادہ کرتے ہوئے خاوند کے چھوڑنے اور بیماری کی بنیاد پہ حق طلاق دیا گیا۔ بعدازں کمیٹی نے خاندانی معاملات پہ حنفی مذہب کی راجح اور شاذ آراء مرتب کیں جیسا کہ خواتین کے حقوق پر لکھا ہے کہ:

"In ١٩١٥, divorce law was modified by two imperial edicts. Accordingly, women could now sue for divorce "in cases of desertion or the existence of a

husband's contagious disease making conjugal life dangerous. Although these changes constituted a departure from the traditional Hanafi jurisprudence, they were in harmony with the potential grounds of divorce available to women under other schools of Islamic law".[11]

عثمانی عائلی قانون ۱۹۱۷ء متعدد خصوصیات کا حامل قانون تھا۔ یہ پہلا مسلم تاریخی خاندانی قانون تھا جو مغربی ڈھانچہ میں شرعی اصولوں پہ مدون کیا گیا۔ سرکاری روایتی حنفی مذہب کے علاوہ دیگر فقہی مذاہب بلکہ انفرادی آراء کے مسلم فقہی ذخیرہ سے بھی استفادہ کیا گیا۔ یہ قانون روایتی فقہ سے جدید قانون سازی تک سنگ میل سے موسوم کیا گیا۔ مسلم قانونِ نکاح مختلف فقہ کی کتابوں میں موجود تھا اس دستاویز میں جدید قانونی دفعاتی شکل میں منظم طریقے سے نافذ کیا گیا تھا جو بعدازاں دنیا کے مختلف مسلم آبادی والے ممالک بالخصوص مشرق میں متعدد ریاستوں کے قوانینِ نکاح کا نمونہ بن گیا۔

فتاوی عالمگیری:

برصغیر پاک وہند کا معاشرہ کثیر المذاہب معاشرہ تھا اور ہر فرد اپنے عائلی معاملات اپنی مذہبی رسوم یا ہدایات کے مطابق کرنے میں آزاد تھا۔ عموماً سب کے لئے اور بالخصوص مسلمانوں کے عائلی معاملات اسلامی تعلیمات کے مطابق چلائے جاتے تھے تاہم کوئی مدون قانون تھا۔ مسلم عائلی معاملات کو فتاوی جات کی روشنی میں چلایا جاتا تھا۔ مغلیہ دور میں، اورنگزیب عالمگیر نے علماء کا ایک کمیشن تشکیل دیا کہ ایک جامع فقہی مجموعہ تیار کیا جائے۔

مفتی ساجد میمن لکھتے ہیں کہ:

"یہ مجموعہ فقہ اسلامی پر ایک جامع اور مستند کتاب تدوین ہوئی جو ہندوستان میں "فتاویٰ عالمگیری" کے نام سے جبکہ عالم عرب میں "فتاویٰ ہندیہ" کے نام سے مشہور ہے۔"[۱۲]

اس تقنین وتدوین کے کام کے لئے عالمگیرؒ نے شیخ نظام الدین برہان پوریؒ کی سرکردگی میں ایک جماعت تشکیل دی۔ علماء وفضلاء کی جو جماعت دار الخلافہ میں موجود تھی، اس خدمت میں مصروف ہوگئی۔ علاوہ ازیں سلطنتِ ہند کے ہر گوشے میں اطلاعات پہنچادی گئیں اور ان علوم میں جو حضرات مہارت رکھتے تھے، بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوگئے۔

محمد اسحٰق بھٹی لکھتے ہیں کہ:

"اس سلسلے میں ان کے لئے معقول وظائف اور بادشاہ کے کتب خانہ خاص سے کتابوں کی رسائی کا بہترین انتظام کیا گیا۔"[۱۳]

اس سے قبل فقہ کا کوئی ایسا جامع، مستند مجموعہ موجود نہیں تھا جس میں تمام فقہائے اسلام کے فیصلے اور آراء محفوظ ہوں، جو کچھ بھی تھا وہ منتشر تھا، اس لئے عام افراد کے لئے یہ ممکن نہیں تھا کہ ان سے آسانی سے استفادہ کرسکیں اور اب عالمگیر کے سامنے بھی کئی مشکلات آرہی تھیں، روزمرہ کے مسائل، باہمی اختلافات کے معاملات اور متنازعہ فیہ مسائل پر جب قاضیوں کو فیصلہ دینے پڑتے تو انہیں بہت ہی محنت وجانفشانی کرنی پڑتی، اس کے باوجود بھی انہیں یہ اطمینان نہ ہوتا تھا کہ انہوں نے فقہاء کے تمام اہم فیصلوں کو دیکھ لیا ہے، اس لئے کہ فقہ کا تمام کا تمام ذخیرہ منتشر تھا۔

رشید احمد لکھتے ہیں کہ :

" مسلمانوں کے شخصی قوانین جن کا تعلق وراثت، وصیت، طلاق وغیرہ کے معاملات سے ہے وہ تمام قواعد وضوابط تفصیل سے بیان کیے گئے ہیں۔اس طرح فتاویٰ کا دائرہ بہت وسیع اور ہمہ گیر ہے۔ "[14]

اس کو علمی وفقہی دنیا میں بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے، کیونکہ اس میں جو مسائل بیان ہوئے ہیں، وہ فقہ حنفی کی رو سے یا تو راجح اور مفتی بہ ہیں یا ظاہر الروایہ میں سے ہیں۔دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ فقہ کی تمام اہم اور قابل ذکر کتابوں کا نچوڑ ہے،اس کے مآخذ اور مراجع فقہ حنفی میں بڑی وقعت رکھتے ہیں۔

جسٹس مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مد ظلہ نے لکھی ہے کہ :

''اس کی تالیف میں عدالتی ضروریات کو مد نظر رکھا گیا ہے، چنانچہ اس میں بعض ایسے ابواب بھی شامل ہیں جو عام کتب فقہ میں دستیاب نہیں، مثلاً کتاب الشروط اور کتاب المحاضرات والسجلات، محضر نویسی، معاہدہ نویسی اور وثیقہ نویسی کے نمونوں پر مشتمل ہیں اور ان سے اسلامی فقہ کی روشنی میں معاہدات کی ترتیب وغیرہ کا انداز سامنے آجاتا ہے''۔[15]

محمد طاہر اپنی کتاب میں لکھتے ہیں کہ :

" مسلمانوں کے لئے ایسے معاون مجموعے کا نام محمڈن لاء موسوم ہوا جو قرآن وسنت کی تعبیرات پر مشتمل تھا۔ "[16]

ڈاکٹر عبد الله لکھتے ہیں کہ :

" جمہور فقہاء اس بات پر متفق ہیں کہ گوہی، اعلان یا رجسٹریشن کے بغیر جب شوہر اپنی بیوی کو طلاق دے دے تو طلاق ہو جاتی ہے لیکن جلد بازی اور جھگڑے سے بچنے کے لئے بہتر یہ ہے کہ دو گواہوں کی موجودگی میں طلاق دی جائے "۔[17]

وہ مزید لکھتے ہیں کہ :

" دورِ حاضر کے حالات کے مطابق طلاق کی وثیقہ بندی یا تحریری ریکارڈ ایک ضرورت بن چکی ہے۔ابتدائی مسلم ادوار میں شرح طلاق زیادہ نہ تھی اور دوبارہ شادی کرنا معیوب بھی نہیں سمجھا جاتا تھا لیکن آج شرح طلاق بڑھتی جارہی ہے۔اس لئے حکومتوں کو عائلی نظام کے تحفظ کے لئے قانون سازی کی فکر دامن گیر ہوئی۔ "[18]

سب سے زیادہ مشہور اور متعلقہ قوانین میں محمڈن میرج اینڈ طلاق رجسٹریشن ایکٹ'' بنگال ایکٹ'' ۱۸۷۶ء کا مسودہ ہے جس میں مسلم شادی وطلاق کی رضاکارانہ رجسٹریشن کی ترغیب دلائی گئی۔ اس قانون میں بنگال کے متعین اضلاع میں مسلم / محمڈن رجسٹرار مقرر کئے جاتے۔مذکورہ ایکٹ کو محمڈن شادی وطلاق رجسٹریشن ایکٹ کا نام ۱۹۰۳ میں دیا گیا۔ بنگال ایکٹ کے تحت رجسٹریشن کی درخواست متعلقہ رجسٹرار کو زبانی دی جاتی تھی۔حکومت رجسٹرار کو فارسی زبان میں ایک مہر مہیا کرتی تھی اور چار اقسام کے مختلف رجسٹریشن تھی۔[19]

پاکستان میں موجودہ قوانین نکاح متعدد ہیں جن میں نمایاں قوانین مسلم فیملی لاز آرڈیننس ۱۹۶۱ء اور امتناع ازدواج اطفال ایکٹ ۱۹۲۹ء کے مسودے ہیں۔پاکستان میں قوانینِ نکاح کو آئینی ودستوری تحفظ حاصل ہے۔

مغربی معاشرے میں نکاح اور خاندان:

مغربی معاشرے میں شادی کو رسمی معاہدے کے بجائے قانونی معاہدہ تصور کیا جاتا ہے۔جس میں دونوں والدین بچوں

کی پرورش اور ان پر ملکیت کا حق رکھتے ہیں۔ بطور والدین بچوں کی حفاظت کے لیے دونوں کے اپنے اپنے کردار ہیں اور معاشرے میں بچوں کی ترقی اور بقا کی نگرانی کرتے ہیں۔ چند صورتوں میں والدین اپنی اپنی آمدن سے کچھ حصّہ خاندان کے لیے مختص کر دیتے ہیں۔ جب کہ عام حالات میں کوئی ایک خاندان کے لیے کماتا ہے اور دوسرے کو دیکھ بھال کرنا پڑتی ہے۔[20]

دور حاضر میں عمرانیات (Sociology) اور بشریات (Anthropology) کے نام سے جو علوم متعارف ہوئے ہیں، اِن کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ خاندان کی تعریف سے لے کر اس کے فرائض تک میں ایک تبدیلی آئی۔

مغربی معاشرے میں ازدواجی خاندان (Conjugal Family) فیملی کا تصور عام ہے۔ جس میں عام طور پر میاں بیوی اور نابالغ بچے شامل ہیں۔ عام طور پر بنیادی خاندان اور ازدواجی خاندان ایک ہی معنی میں استعمال کیے جاتے ہیں مگر چند ماہرین سماجیات مرکزی (Nuclear) اور ازدواجی خاندان (Conjugal) میں تفریق ظاہر کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک نیوکلیئر فیملی میں خاندان کے دیگر افراد کے ساتھ قریبی تعلقات موجود ہوتے ہیں۔ جب کہ ازدواجی خاندان (Conjugal Family) میں خاندان کے دیگر افراد کے ساتھ تعلقات نسبتاً کم ہوتے ہیں۔ وقت کے ساتھ خاندان کے تصور میں تبدیلیوں سے ازواجی یا متفق (Conjugal) خاندان کا تصور وجود میں آیا جس میں دونوں والدین کا تعلق مختلف جنس سے ہو۔

معاصر مغربی معاشرہ اور مغربی خاندان اذیت ناک کیفیت سے دوچار ہے۔ جنس کی وجہ سے مغرب پریشان اور اذیت سے دوچار ہے۔ مغرب کا خاندان اور گھر کا نظام آرام وراحت اور سکون کا نہیں، بے چینی اور پریشانی کا ذریعہ بن چکا ہے۔

مغربی معاشرے کے ابتدائی دور میں قبیلہ جاتی طبقات میں نکاح ایک سفارتی و تجارتی تعلق کی راہ ہموار کرنے کا ذریعہ سمجھا جاتا تھا۔[21]

گیارہویں صدی میں نکاح ایک معاشی وسماجی اور سیاسی نشانی سمجھی جاتی تھی۔ زوجین کی مرضی کو زیادہ اہمیت نہ دی جاتی تھی بلکہ خاندان کے سربراہ کو ہی فیصلہ ساز تسلیم کیا جاتا تھا۔ بعدازاں فریقین یعنی زوجین کی رضامندی کو زیادہ اہمیت دی جانے لگی اور بدلتے ہوئے سماجی ماحول میں شادی اور جنسیت کے لیے اصول مرتب کیے۔[22]

مغربی دنیا میں، معاشی وسماجی ذمہ داریوں کی تقسیم کے تناظر میں مشترکہ خاندان رواج پذیر تھے۔ بیسویں صدی میں صنفی مساوات کے نعروں سے خواتین کی آزادی اور مشترکہ خاندان کے نظام کو زوال آنے لگا۔ عصرِ حاضر میں نکاح کے متبادلات کو مقبولیت حاصل ہے تاہم ایسے معاہدوں سماجی واخلاقی مسائل اور اولاد سے متعلق حقوق وفرائض کی پیچیدگیاں جنم لیتی ہیں۔[23]

مغرب میں قوانینِ نکاح:

مغربی معاشروں میں نکاح کا تصور و مفہوم اسلامی تعلیمات سے مماثلت ومفارقت رکھتا ہے۔ مغربی معاشروں میں دو تقسیموں پر مبنی قوانینِ نکاح ہیں جیسا کہ عیسائیت اور یہودیت پر مبنی قوانینِ نکاح اور اسی طرح سیکولر لبرل یا جدید تحاریک کے نتیجہ میں وجود پذیر ہونے والے قوانین وغیرہ۔ مغربی معاشرے کا زیادہ تر حصہ عیسائیت یا یہودیت کے مذاہب سے براہ راست یا بلاواسطہ وابستگی رکھتا ہے۔ لہٰذا یہودیت اور عیسائیت میں نکاح کے قوانین ہی کا اطلاق کیا جاتا ہے۔ تاہم غیر مذہبی افراد یا وہ معاملات جن کی بابت ملکی سطح کے قوانین بنائے گئے ہیں وہاں ان قوانین کا اطلاق کیا جاتا ہے۔

ابتدائی ادوار میں نکاح اور اس سے متعلقات کی تعبیر وتشریح چرچ کے دائرہ کار میں تھی۔ بعدازاں عصری قوانینِ

نکاح کی تشکیل و تدوین میں تین عناصر اہمیت کے حامل ہیں جن میں common lawاورcanon law اور ان کے علاوہ پارلیمنٹ کی قانون سازی سے موسوم قوانین وغیرہ ہیں۔

شروع میں نکاح ایک مقدس معاہدہ تھا جس میں علیحدگی کا تصور معدوم تھا جبکہ بیسویں صدی کے بعد اس میں اصلاحات متعارف کروائی گئیں اور زوجین کو مساوی حقوق دینے کی کوشش کی گئی۔ نکاح کو ایک مقدس تقریب قرار دیا جاتا تھا اور پھر ایک سماجی اور قانونی معاہدہ کے طور پر متعارف کروایا گیا۔

مغربی معاشروں میں مذہبی قوانین نکاح کا اطلاق رہا ہے۔جدیدیت کی تحریکوں کے باوجود مذہبی اثرات نمایاں رہے ہیں۔یورپ میں فکری تبدیلی کے لیے کئی تحریکیں شروع ہوئیں جیسے عقلیت پسندی، اور لبرل ازم وغیرہ۔لبرل ازم ایک سیاسی اور اخلاقی فلسفہ ہے جو آزادی، حکومت کی رضامندی اور قانون سے پہلے مساوات پر مبنی ہے۔لبرلز ان اصولوں کی ان کی تفہیم پر منحصر ہے، لیکن وہ عام طور پر آزاد بازار، آزاد تجارت، محدود حکومت، انفرادی حقوق (شہری حقوق اور انسانی حقوق سمیت)، سرمایہ داری، جمہوریت، سیکولرازم، صنفی مساوات، نسلی مساوات کی حمایت کرتے ہیں، عالمیت، آزادی اظہار، آزادی صحافت اور مذہب کی آزادی۔ پیلے رنگ کا سب سے زیادہ عام رنگ لبرل ازم کے ساتھ ہے۔

یورپ سے اٹھنے والی فیمنزم کی تحریک نے عورتوں کے اندر جذبہ بغاوت پیدا کیا۔ان کی اصل جو حیثیت امومت کی ہے اس قبا کو انہوں نے چاک کر دیا۔ عورتوں کی آزادی کا نعرہ دراصل خاندانی بندش سے آزادی کا نعرہ تھا۔شادی کا تقدس ٹوٹ گیا۔ خاندان کی حیثیت بدل گئی۔ چار اہم ترین عوامل نے خاندان کی چولیں ہلا دیں۔

۱. شرح پیدائش میں کمی
۲. عورتوں کا طبقہ مزدور میں شامل ہو جانا
۳. جنسی بے راہ روی
۴. طلاق کی بڑھتی شرح

مغرب میں نکاح کے متبادلات:

لیونگ ریلیشن شپ یعنی بغیر شادی کے صحبت ایک ایسا انتظام ہے جہاں دو افراد ساتھ رہتے ہیں۔ وہ اکثر طویل مدتی یا مستقل بنیاد پر رومانس یا جنسی طور پر مباشرت کے تعلقات قائم رکھے ہوئے ہوتے ہیں۔ ۲۰ ویں صدی کے آخر سے مغربی ممالک میں اس طرح کے انتظامات بہت زیادہ عام ہونے لگے۔ شادی، صنف کے کردار اور مذہب کے حوالے سے معاشرتی نظریات میں تبدیلیاں بڑی تیزی سے جو آئی ہیں ان کے نتیجے میں لوگ اس طرح کے انتظامات میں آسانی محسوس کرتے ہیں۔حالیہ دنوں میں معاش کے نئے میدان وجود میں آئے اور خواتین کے لیے بھی اس میں مواقع میسر آنے لگے جس کے نتیجے میں لڑکیوں کی بڑی تعداد برسر روزگار ہونے لگی۔ آزادانہ ماحول اور میل ملاپ کے بہت سے مواقع میسر آنے لگے۔ مانع حمل تدابیر کی بآسانی فراہمی نے بعض عورتوں کے اس تصور کو تقویت دی کہ بچوں کو جنم دئے بغیر صرف جنسی لطف اندوزی کا سامان کیا جا سکتا ہے۔

شادی میں تقسیم کار کے نتیجے میں مرد معاشی ذمہ داری سنبھالتا تھا اور عورت معاشی طور پر مرد پر منحصر ہوتی تھی، جب عورت خود برسر روزگار ہونے لگی تو اسے یہ وہم ہو گیا کہ اب اسے خاندان چلانے اور بچوں کو جنم دینے کی ضرورت نہیں اس لیے باقاعدہ

شوہر کی ضرورت بھی نہیں، البتہ جسمانی تقاضوں کی تکمیل کیلئے ایک مرد کی ضرورت ہے۔ مرد میں بھی جب دین بیزاری اور خدا بیزاری کے نتیجے میں خود مرکزیت کا مزاج پیدا ہو گیا تو وہ بیوی اور بچوں اور خاندان کا بوجھ اٹھانے کے بجائے اپنی جسمانی خواہشات کی تکمیل کیلئے آسان راہوں کو تلاش کرنے لگا۔ اسی مزاج کی عورت میسر آنے پر ایک مرد اور عورت طے کر لیتے ہیں کہ وہ بغیر شادی کے ایک ساتھ رہنے لگیں گے۔ کبھی دونوں اپنی روزی روٹی کا سامان خود کریں گے، اور کبھی بچے پیدا ہو جانے کی وجہ سے یا کسی اور سبب سے عورت گھر میں نسوانی کردار ادا کرے گی اور مرد اپنا روایتی رول ادا کرے گا۔

مغربی معاشرے میں نکاح کو ایک قصہ پارینہ سمجھا جا رہا ہے۔ جنسی بے راہ روی اور آزادی کا خمیازہ اب مغرب بھگت رہا ہے۔ وہاں کے باشندے جنسی آزادی و لذت چاہتے ہیں مگر اس سے وابستہ ذمہ داریوں کو ادا نہیں کرنا چاہتے۔ ان کے ہاں شادیوں کا رواج کم سے کم تر ہوتا جا رہا ہے۔ بچوں کی پیدائش بھی اس حد تک کم ہو گئی ہے کہ اب بہت سے ممالک میں وہاں کی معیشت کو باقی رکھنے کے لیے باہر سے لوگوں کو درآمد کرنا پڑ رہا ہے۔ بہت سے ممالک کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ آئندہ چالیس سال کے بعد وہ اپنے ہی ملک میں اقلیت بن کر رہ جائیں گے اور جو باہر سے آئے ہوئے ہیں اور جو وہاں کے باشندے ہو چکے ہوں گے ان کی غالب اکثریت ہو گی۔ اس دردناک صورت حال کو اپنی آنکھوں سے دیکھنے کے باوجود لوگ حقیقت تسلیم کرنے کے بجائے اس کا انکار کرنے پر مصر ہیں۔

تقابلی جائزہ:

اسلام نے تکریم انسانیت کے بنیادی تصور کے تناظر میں اخلاقیات کا عملی نمونہ پیش کرتے ہوئے عائلی زندگی کے مسائل کو جامع طور پر عدل و توزن سے حل کیا ہے۔ اسلامی تعلیمات میں عورت سمیت تمام معاشرتی طبقات کے حقوق کے تحفظ کو یقینی بنایا گیا ہے۔ مسلم معاشرہ کی بنیادیں دیگر معاشروں سے مختلف اصول معاشرت پر قائم ہیں۔ جدیدیت کی ہوا انسانی معاشرے میں کئی معاشرتی و قانونی تبدیلیوں کا باعث بنی۔ جدید دنیا میں مسلم عصری عائلی مسائل ایک متنازعہ امر کی حیثیت سے سامنے آئے۔ جدید عائلی مسائل اور عورت کے حقوق کے تحفظ کے لئے کئی تحریکوں کا آغاز ہوا۔ اسلام میں نکاح کا تصور دیگر مذاہب، ادیان اور معاشرتی روایات سے منفرد ہے۔ تاریخ اسلام میں اگر نظر ڈالی جاے تو ئی واضح ہوتا ہے کہ اسلام عورت کو ازدواجی زندگی بالخصوص نکاح اور اس سے متعلقات کی بابت حقوق میسر کرتا ہے، نکاح کے لئے رضامندی، پسند و ناپسند کا اظہار، کفو و مساوی ہم سفر کا انتخاب، کم سنی کی شادی اور حقِ خیارِ بلوغ کا تحفظ، منصفانہ حق مہر، اور اس حق مہر کی عملی ادائیگی و ملکیت وغیرہ سے عورت کو حقوق دیتا ہے۔ نکاح کو معاشرتی زندگی میں ایک عبادت کا تقدس بعدازاسلام دیا گیا۔ اسلام میں نکاح سے متعلق انتخابِ زوج سے مکمل عائلی زندگی کی تفصیلات و جزئیات متعارف کروادی گئیں، مسلم دنیا میں قوانین بالخصوص قوانینِ نکاح کی باضابطہ تقنین و تدوین کا ذکر عہد نبوی سے بنو امیہ و عباس کے ادوار تک کہیں نہیں ملتا۔ تاہم، عائلی معاملات کے لئے براہ راست قرآن و سنت اور بعدازاں فقہی تعبیرات اور فتاوی جات سے استفادہ کیا جاتا رہا۔ مسلم علاقوں کی وسعت کے ساتھ ساتھ بیرونی دنیا میں ہونے والی تبدیلیوں سے مسلم معاشرے بھی متاثر ہوئے۔ اسلامی معاشرے میں قوانین کی باضابطہ تدوین کی بابت سب سے پہلے مؤطاء امام مالک کو قانونی مسودہ کے طور پر نافذ کرنے کی تجویز پیش ہوئی۔ تاہم قانونی تنفیذ کو طور پر متعارف نہ کروائی جاسکی۔ بعدازاں زیادہ تر انحصار فتاوی جات یا فقہی متون پر کیا جاتا تھا۔ برصغیر میں فتاوی ہندیہ یا فتاوی عالمگیری سے

موسوم مسودہ کی تدوین ہوئی۔ برصغیر میں مغلیہ ادوار تک شرعی قوانین ہی ملکی قوانین سمجھے جاتے تھے۔ فتاوی عالمگیری کو ملکی قانون کی حیثیت سے نافذ کیا جاتا رہا۔ بعدازاں برطانوی دور حکومت میں مسلم وغیر مسلم اقوام کے عائلی معاملات کا تصفیہ اپنے اپنے قوانین کے تحت ہونے کا اعلان ہوا۔ برطانوی حکمرانوں نے اس خطے میں مختلف مذاہب سے تعلق رکھنے والے لوگوں کے خاندانی معاملات میں ان کے روایتی قاعدے اور قوانین کے اطلاق رہنے کا فیصلہ لیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ برصغیر میں بسنے والے مختلف مذاہب کے لوگ شادی، طلاق، وراثت اور ایسے دیگر خاندانی معاملات میں الگ الگ رسوم و روایات اور مذہبی قواعد پر عمل کرتے تھے۔ سب سے زیادہ مشہور اور متعلقہ قوانین میں محمڈن میرج اینڈ طلاق رجسٹریشن ایکٹ" بنگال ایکٹ" ۱۸۷۶ء کا مسودہ ہے جس میں مسلم شادی وطلاق کی رضاکارانہ رجسٹریشن کی ترغیب دلائی گئی۔ اس قانون میں بنگال کے متعین اضلاع میں مسلم / محمڈن رجسٹرار مقرر کیئے جاتے۔ مذکورہ ایکٹ کو محمڈن شادی وطلاق رجسٹریشن ایکٹ کا نام ۱۹۰۳ میں دیا گیا۔ بنگال ایکٹ کے تحت رجسٹریشن کی درخواست متعلقہ رجسٹرار کو زبانی دی جاتی تھی۔ حکومت رجسٹرار کو فارسی زبان میں ایک مہر مہیا کرتی تھی اور چار اقسام کے مختلف رجسٹریشن تھی۔[۲۴] پاکستان میں موجودہ قوانین نکاح متعدد ہیں جن میں نمایاں قوانین مسلم فیملی لاز آرڈیننس ۱۹۶۱ء اور امتناع ازدواج اطفال ایکٹ ۱۹۲۹ء کے مسودے ہیں۔ پاکستان میں قوانینِ نکاح کو آئینی ودستوری تحفظ حاصل ہے۔ جبکہ مغربی قوانین کا پس منظر کچھ ملتا ہے۔ مغربی معاشروں میں نکاح کا تصور و مفہوم اسلامی تعلیمات سے مماثلت و مفارقت رکھتا ہے۔ مغربی معاشروں میں دو تقسیموں پر مبنی قوانینِ نکاح ہیں جیسا کہ عیسائیت اور یہودیت پر مبنی قوانینِ نکاح اور اسی طرح سیکولر لبرل یا جدید تحاریک کے نتیجہ میں وجود پذیر ہونے والے قوانین وغیرہ۔ مغربی معاشروں میں مذہبی قوانین نکاح کا اطلاق رہا ہے۔ گزشتہ پچاس سالوں میں خاندانی نظام میں بڑی تیزی سے زوال آیا۔ خاندان اور سماج کی ہیت بدلنے لگی۔ خدوخال، اقدار اور روایات پر بھی کاری ضرب لگنے لگی۔ گھر، خاندان، ماں، بڑوں کا احترام جیسے مقدس اصطلاحات اور تصورات بھی انکار کے دائرے میں آگئے۔ گھر میں تقسیم کار کہ عورت گھر سنبھالے گی، بچوں کی دیکھ بھال کرے گی اور شوہر کے سکون کا سامان کرے گی دوسری طرف شوہر بیرون کی دنیا میں محنت و مشقت کر کے کمائی کرے گا، خاندان کو تحفظ فراہم کرے گا اور بچوں کی تعلیم و تربیت میں اس کا اہم کردار ہوگا، ان سب پر سوالیہ نشان لگ گیا۔ مغرب میں ریلیشن شپ یعنی بغیر شادی کے صحبت ایک ایسا انتظام ہے جہاں دو افراد ساتھ رہتے ہیں۔ وہ اکثر طویل مدتی یا مستقل بنیاد پر رومانس یا جنسی طور پر مباشرت کے تعلقات قائم رکھے ہوئے ہوتے ہیں۔ گیارہویں صدی میں نکاح ایک معاشی وسماجی اور سیاسی نشانی سمجھی جاتی تھی۔ زوجین کی مرضی کو زیادہ اہمیت نہ دی جاتی تھی بلکہ خاندان کے سربراہ کو ہی فیصلہ ساز تسلیم کیا جاتا تھا۔ بعدازاں فریقین یعنی زوجین کی رضامندی کو زیادہ اہمیت دی جانے لگی اور بدلتے ہوئے سماجی ماحول میں شادی اور جنسیت کے لیے اصول مرتب کیے۔

This work is licensed under a Creative Commons Attribution 4.0 International License.

حوالہ جات (References)

[۱] اسرار احمد، ڈاکٹر، نکاح ایک اصلاحی تحریک، مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن، لاہور، س، ن، ص: ۳۸

[۲] ابڑو، عبدالحہ، ڈاکٹر، اسلام کا خاندانی نظام، شریعہ اکیڈمی، اسلام آباد، ۲۰۲۱ء، ص: ۲۱

[3] Donald Quartier, *The Ottoman Empire ۱۹۲۲-۱۷۰۰,* New York, Cambridge, University Press, ۲۰۰۵, P: ۳

[4] Roderick H Davison, *Reform in the Ottoman Empire, ۱۸۵۶-۱۸۷۹*, New Jersey, United States: Princeton University Press, ۲۰۱۶p:۱-۱۰.

[5] Aijaz Ahmed, Tanzimat: A Brief outlook of Secular reforms in the Ottoman Empire, VFAST Transactions on Islamic Research, Volume ۹, Number ۲, April-June, ۲۰۲۱, p;۲۶

[6] Kevin Goodwin, "The Tanzimat and the Problem of Political Authority in the Ottoman Empire: ۱۸۳۹-۱۸۷۶," *Honors Projects Overview*. ۲۰۰۹, p: ۱۰۹

[7] Young Turks Turkish Nationalist Movement," *Encyclopedia Britannica*, accessed February ۲۸, ۲۰۲۰, https://www.britannica.com/event/Tanzimat.

[8] Vuslat Devrim Altınöz, "The Ottoman Women's Movement: Women's Press, Journals, Magazines and Newspapers from ۱۸۷۵ to ۱۹۲۳." Master of Arts, Faculty of Miami University, ۲۰۰۳,p: ۵۳

[9] Zulfiqar, "Islamization of Laws: Various Determinants, Modern State and Codification," Islamabad Law Review II: ۲-۱, ۲۰۱۸ p:۳۳

[10] Zanki, "Codification of Islamic Law Premises of History and Debates of Contemporary Muslim Scholars," p:۱۲۷

[11] Esposito, John L. *Women in Muslim family law*. Syracuse University Press, ۲۰۰۱.p:۵۱

[۱۲] محمد ساجد میمن، مفتی، فتاویٰ عالمگیری: تعارف، (ماہنامہ)، النخیل، جامعہ تراث الاسلام شاہ فیصل ٹاؤن، کراچی، شمارہ نمبر ۱، اپریل، ۲۰۱۸ء

[۱۳] محمد اسحاق، بھٹی، بر صغیر میں علم فقہ، مکتبہ قدوسیہ، لاہور، س-ن، ص: ۲۸۱

[۱۴] خورشید احمد، اسلامی قانون نمبر، (ماہنامہ) چراغِ راہ، دفتر چراغ راہ: کراچی، جلد: ۱۲، شمارہ: ۷، جون ۱۹۵۸ء، ص: ۴۰۳

[۱۵] عثمانی، جسٹس محمد تقی، پیش لفظ (فتاویٰ عالمگیری)، دارالاشاعت، کراچی، س-ن، ج: ۱، ص: ۸

[۱۶] محمد طاہر، عائلی قوانین اور پاکستانی سیاست، جنگ پبلشرز، لاہور، ۱۹۹۹ء، ص: ۳۹

[۱۷] ابڑو، عبدالحہ، ڈاکٹر، اسلام کا خاندانی نظام، شریعہ اکیڈمی، اسلام آباد، ۲۰۲۱ء، ص: ۳۲۰

[۱۸] ایضاً۔

[۱۹] بنگال ایکٹ ۱۸۷۶ء

[20] National Council on Family Relations, "Conjugal Power and Resources: An Urban African Example". Journal of Marriage and Family, Vol 4, 1970.

[21] Coontz, Stephanie. Marriage, a history: How love conquered marriage. Penguin, 2006.

[22] Rambaud-Buhot, J. "Gratian, Decretum of (Concordia discordantium canonum), u: Halfmann." J.(ur.), New Catholic Encyclopedia 6.

[23] https://www.newworldencyclopedia.org/entry/United_Kingdom#Marriage_and_the_family

[24] بنگال ایکٹ ۱۸۷۶ء